خداپرستی اور مادّیت کی جنگ

مولانا سید کاظم صاحب نقوی، ریڈر شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(قسط دوم)

مسلّمات کی عمارتیں ڈھا گئی تھیں | زمین و آسمان کی پیدائش کے بارے میں بطلیموس (Betlimous) کا نظریہ پندرہ سو برس تک علمی دنیا پر حکومت کرتا رہا۔ توریت اور انجیل کی طرح علمی مرکزوں میں باقاعدہ اس کی تدریس کی جاتی اور تعلیم دی جاتی تھی۔ وہ اہلِ علم کے دماغوں میں اس طرح پیوست ہو گیا تھا کہ بہت سی آیات قرآنیہ کو مفسرین نے اس نظریے پر ایمان لانے کی بنا پر اسی کے مطابق بنا دیا۔ لیکن جب یورپ کی علمی تحریک (Renoesenef) شروع ہوئی تو چار مشہور سائنسدانوں کے ہاتھوں اس کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئیں۔

پولینڈ کے کوپرنیکس (Copernics) نے مرکزیت زمین کی رد کی اور ثابت کیا کہ تمام سیارات کا مرکز سورج ہے۔

جرمنی کے کیپلر (Kepler) نے ثابت کیا کہ ہر سیارہ سورج کے گرد گھومنے میں ایک بیضوی شکل کا دائرہ بناتا ہے۔ وہ جتنا سورج سے نزدیک ہوا تنا ہی زیادہ تیزی سے اس کے گرد گھومتا ہے۔

گیلیلیو (Galileo) نے ایک دوربین بنا کر آسمانوں کے رازوں سے پردہ سرکایا۔ بہت سے ایسے ستارے دیکھ لیے جو اب تک نہیں دیکھے گئے تھے۔ انھوں نے

بتایا کہ کہکشاں (Constellation) حقیقت میں ڈھیر بھر ستاروں کے یکجا ہو جانے کا نام ہے۔

نیوٹن (Newton) نے ثابت کیا کہ لاکھوں منظومات شمسیہ۔ کہکشائیں۔ اس وسیع اور لق ودق فضا میں لٹکے ہوئے ہیں۔ ان میں دو قسم کی طاقتیں پائی جاتی ہیں جو ان کے وجود اور بقا کی ضامن ہیں۔ ایک مرکز کی طرف جذب ہونے کی قوت اور دوسرے اس سے بھاگنے کی قوت۔

بہت سی مانی ہوئی باتوں میں ان تبدیلیوں کا قہری نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے سائنسدان ایسے امور کے بارے میں شک کرنے لگے جو ایک نسل سے دوسری نسل کو میراث میں ملتے رہے تھے۔ ان کے دماغوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح بہت سے موروثی نظریات کا بے بنیاد ہونا واضح ہو گیا۔ آسمانی کرّے پادر ہوا ہو گئے۔ اربعہ عناصر کہانی بن گئے، تو افلاک کا تصور مضحکہ خیز ہو گیا تو کیا پتہ کہ اسی طرح ہمارے تمام نظریات اور عقائد کی نوعیت ہو۔ جبکہ ہمارے بزرگوں سے ایسی باتوں میں چوک ہو گئی جن کا احساس اور مشاہدے سے تعلق ہے تو ایسے مسائل کی بابت فیصلہ کرنے میں ان سے دھوکہ کھانے کا زیادہ احتمال ہے جو احساس اور تجربے کے دائرے سے باہر ہیں۔ اس طرح نیچر کی چاردیواری سے باہر مسائل کے متعلق شروع شروع شک کیا جانے لگا اور رفتہ رفتہ اسی نے الحاد اور انکار تک پہنچا دیا۔ آہستہ آہستہ مادیت کا رنگ بعض لوگوں کے ذہنوں پر چڑھ گیا۔

پرانے خیالات اور عقائد کی بابت سائنسدانوں کے غرور نے بھی بدظنی کا اضافہ کرنے میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ کچھ حقیقتوں سے آگاہ ہو کر ایسا خیال کرنے لگے کہ تمام موجودات کے اسرار و رموز انھیں معلوم ہو گئے ہیں۔ اب کوئی بات پردے میں نہیں رہ گئی ہے۔ تمام راز فاش ہو چکے ہیں۔ مجہولات معلومات کا بھیس بدل چکے ہیں۔ عالم وجود کا طلسم اب طلسم نہیں رہ گیا ہے۔ کائنات میں ساری چہل پہل کا واحد سبب یہی مادہ

اور نیچر ہے۔ ان کے علاوہ نہ کچھ ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

ظاہر ہے کہ غرورِ حقیقت اور عقل کے درمیان ایک زبردست دیوار ہے۔ وہ انسان کے دماغ کو حقیقتوں تک نہیں پہنچنے دیتا۔ ایک حقیقت جو شخص کا فرض ہے کہ اس کے معلومات کا دائرہ خواہ کتنا ہی وسیع ہو جائے اس کا دماغ خواہ کتنی ہی بلند پروازی کرنے لگے لیکن اس کے باوجود اسے اس عظیم الشان کائنات کے سامنے اپنی ذات اور اپنے ذہن کو بہت زیادہ حقیر سمجھنا چاہیے۔ اسے یقین رکھنا چاہیے کہ تمام علمی دشواریوں پر قابو پانا اس کے بس سے باہر ہے۔ بے شک اس علمی غرور کی عمر زیادہ طولانی نہیں ہوئی۔ کچھ عرصے کے بعد انسان کی آنکھیں کھل گئیں اب وہ جو جو علم و تحقیق کے میدان میں آگے بڑھتا رہا وہ وہ اُسے اپنی جہالت کا زیادہ احساس ہوتا گیا جس کا اس نے برابر اقرار کیا۔ ہمیں برابر یہ نظر آرہا ہے کہ ایک طرف انسان کے علم و اطلاع کی سطح بلند ہو رہی ہے اور دوسری طرف موجوداتِ عالم کے اسرار و رموز کے بارے میں انسان کی حیرانی بڑھ رہی ہے۔

بیسویں صدی کا یورپ انیسویں صدی کے مادہ پرست یورپ سے بہت مختلف ہے پچھلی صدی میں علم و عقل کو پوجنے کے لیے جو پرشکوہ، عظیم الشان، جلال و جبروت سے بھرپور عبادت گاہیں سائنس نے بنائی تھیں وہ اب یکے بعد دیگرے ویران ہو رہی ہیں۔ وہاں کی بھیڑ کم ہوتی جا رہی ہے۔ اب وہ زمانے لد گئے جب سائنسدان محسوسات کے سوا ہر چیز کے انکار کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے۔ یہ روشن خیالی اور وسیع النظری کی نشانی تھی۔

سب سے زیادہ اہم اور قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ اس صدی کے شروع میں موجدین اور محققین کی طرف سے وعدے کیے گئے تھے۔ خوشخبریاں دی گئی تھیں کہ سائنس، صنعت اور سرمایہ داری زندگی کی تمام مشکلات کو دور کر دے گی۔ انسانیت

کی تمام پریشانیاں رفو چکر ہو جائیں گی۔ جہالت کی جگہ علم۔ کمزوری کی جگہ توانائی۔ غربت کی جگہ خوشحالی۔ تکلیف کی جگہ آسائش لے لے گی۔ لیکن اب ان کا غلط ہونا سب کے سامنے آگیا ہے۔ انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ ہر قسم کی پریشانیوں نے ہر طرف سے اس کو گھیر لیا ہے۔ راہِ چارہ و تدبیر تقریباً مسدود ہوگئی ہے۔

اخلاقی پستی صحیح اور بالکل صحیح کہ یورپ نے صنعت کے میدان میں سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ راحت و آسائش کے سامانوں کو انتہائی عام اور فراواں کر دیا۔ ہر طرح کے علمی اور صنعتی انقلاب کی بنیادی شرط صحیح راہنمائی ہے جس سے یورپ محروم تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقی تنزل کا لرے اور طاعون کی طرح پورے یورپ پر چھا گیا۔

غلط فہمی نہ پیدا ہو۔ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ صنعت کے میدان میں انسان کا آگے بڑھنا غلط تھا۔ بہتر یہ تھا کہ انسان اخلاقی پستی سے بچنے کی خاطر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا۔ اسے ہر طرح کی ایجاد سے پرہیز کرنا چاہیے تھا۔ ہمارا مقصود یہ ہے کہ صنعت دو دھاری تلوار کے مانند ہے۔ اس سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کے لیے راہبری اور راہنمائی کی ضرورت ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو وہ انسانی زندگی کے ماحول کو گندہ بنا دے گی۔ اخلاقی اقدار کو روند ڈالے گی۔

سینما اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ انسان کی سطح ذہن کو اونچا کیا جا سکتا ہے۔ لوگوں کو عمومی طور پر خوش اطوار اور خوش اخلاق۔ نیک چلن بنایا جا سکتا ہے لیکن ان دونوں چیزوں کو آج کل مذکورہ امور کے بالکل مخالف اور متضاد مقاصد کے پورا کرنے کا آلۂ کار بنا لیا گیا ہے۔ نوجوانوں کے درمیان جرائم کی تعداد کا اضافہ اور اخلاقی انحطاط کا پھیل جانا اسی سینما اور ٹیلی ویژن کا فیض ہے۔

مادی علوم میں انسان کی ترقی نے، راحت و آسائش کے سامان کی بہتات نے، عیاشی اور بدکاری کے لیے لوگوں کی آزادی نے، خشکی، تری اور ہوائی راستوں کے

کھل جانے نے ہوس رانی کے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کر دیے ہیں۔ اگرچہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایسے ماحول میں خدا شناسی اور خدا پرستی کی روح ایسی طاقتور ہو کہ صرف یہی نہیں کہ انفرادی طور پر کسی شخص کے رفتار و گفتار کو قابو میں رکھے بلکہ دوسروں کی بھی اصلاح کا سبب قرار پا جائے لیکن ہماری گفتگو ایسے اِکّا دکّا غیر معمولی اشخاص کے لحاظ سے نہیں ہے۔ ہم نے عام معمولی لوگوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک بات کہی ہے۔

ایسے ماحول میں کسی عام نوجوان سے بداخلاقی اور بدچلنی کے علاوہ کسی دوسری چیز کی امید نہیں ہے۔ ایسے ناسازگار ماحول میں فقط یہی نہیں کہ خداپرستی اور خداشناسی کے پھلنے پھولنے کی کوئی توقع نہیں ہے بلکہ لوگوں کی بداطواری اور بداخلاقی رفتہ رفتہ ان کے دل ودماغ کو بھی متاثر کرتی ہے۔ موروثی عقائد اور خیالات کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔

انبیاء۔ اولیاء، صوفیاء اور ائمہ کے مسلک کی پیروی۔ وجود خدا کا عقیدہ ایک صحیح وسالم بیج کے مانند ہے جو نشوونما کے لیے ہموار اور سازگار مناسب زمین چاہتا ہے۔ ایسا گندہ ماحول وجودِ خدا کے عقیدے کے پھلنے پھولنے کے قابل نہیں ہے جس کے درودیوار سے معصیت، گناہ، بدکاری اور ہوس رانی ٹپک رہی ہو۔ جہاں کے لوگ سر سے پیر تک نافرمانی اور گناہ میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ جس طرح انسان کے پاکیزہ خیالات اس کے عمل پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح مستقل ہوس رانیاں۔ دائمی بدکاریاں انسان کے افکار و خیالات میں تبدیلی پیدا کر دیتی اور انھیں کھینچ تان کر اس ماحول کے مطابق بنا دیتی ہیں جس میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے۔

حقیقی اور صحیح خداپرستی اخلاقی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ہے۔ اسی لیے یہ دکھائی دیتا ہے کہ سچے خداپرست لوگ اخلاقی حیثیت سے بلند ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ پست

اور گندہ ماحول اخلاقی پاکیزگی اور نفسانی طہارت کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ اس قسم کے ماحول میں عام طور پر لوگ انہی کے رسم ورواج پر چلتے ہیں۔ ان کا کام ہوتا ہے اس چند روزہ زندگی کو غنیمت سمجھتے ہوئے خوب خوب مزے اڑانا۔ بہتر سے بہتر کھانا۔ بہتر سے بہتر پہننا۔ بہتر سے بہتر جگہ رہنا۔ بہتر سے بہتر طریقوں پر اپنی جنسی پیاس بجھانا۔ بالآخر یہ عملی گندگی۔ اخلاقی مادیت انسان کے دل ودماغ کو متاثر بناتی اور جلد یا بدیر انہیں اس کی رفتار اور کردار کے مطابق بنا لیتی ہے۔ عملی حیثیت سے مادیت آہستہ آہستہ عقیدے کے لحاظ سے مادیت پر ختم ہوتی ہے۔

جس طرح ہمارے بہت سے کاموں کا سرچشمہ ہمارے صفات وعادات اور افتاد طبع ہوا کرتی ہے اسی طرح بہت سے نفسیات اور ہمارے باطن کی گہرائی میں اترے ہوئے صفات کا سبب کسی کام کا بار بار دہرانا ہوتا ہے۔ جو لوگ برابر گناہ کرتے رہتے، جھوٹ بولتے رہتے۔ لوگوں کی برائیاں کر کے قرآن کریم کے بقول اپنے مردہ بھائیوں کا گوشت کھاتے رہتے۔ مستقل طور پر دوسروں کے حقوق پامال کرتے رہتے۔ پہلی دفعہ ان کاموں کے کرنے سے ان کی روح۔ ان کے دل ودماغ کے صفحہ پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ لیکن جب کسی وجہ سے قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے رہے خواہ جان بوجھ کر اور خواہ نادانستہ طور پر تو رفتہ رفتہ ان کی روح، ان کا دل۔ ان کا نفس جو بھی تعبیر مناسب ہو کہیئے گندہ ہو جاتا ہے۔ تھوڑے ہی عرصے میں وہ سر سے پیر تک گناہ کا پتلا بن جاتے ہیں۔ اب یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی کے ساتھ بیٹھیں اور لوگوں کی برائی نہ کریں۔ کسی کی کوئی بات بیان کریں اور جھوٹ نہ بولیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ان کے وجود میں چھپی ہوئی کوئی ایسی طاقت متاثر ہو گئی ہے جو انسان کے تمام کاموں کا سرچشمہ ہے۔

یورپ اخلاقی پستیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ یورپ بدکاری اور عیاشی سے ڈھکا ہوا

اس کا ماحول ہرگز خدا پرستی اور مذہبی عقائد کی نشو و نما کے لیے مناسب نہیں ہے۔ وہاں مذہبیت کے مظاہرات کیونکر ہو رہے ہیں؟ دوسری عمارتوں کے ساتھ کلیسا بھی دکھائی دیتے ہیں مخصوص اوقات میں وہاں چہل پہل بھی ہوتی ہے، لوگوں کی زبانوں پر سوکھی اور بیجان دعاؤں کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ خاص خاص دفتروں میں لوگ جاکر اپنے میاں بیوی بن جانے کی رپوٹ بھی درج کراتے ہیں۔ ان چیزوں کے علاوہ انکی زندگی میں کہیں مذہب کا نام ونشان نہیں ہے۔ وہاں کے گندے ماحول میں اس سے زیادہ مذہبیت ہرگز نہیں پائی جاسکتی۔

یورپ کے مسیحی حلقے جتنی بھی کوشش کریں یہ غیر ممکن ہے کہ اخلاقی اور عملی مادیت کو ذہنی اور اعتقادی مادیت سے الگ رکھا جائے۔ وہ ہرگز اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے کہ وہ کوئی ایسی ترکیب کریں کہ عملی طور پر لوگ مطلب پرست اور مادیت کے پرستار رہیں لیکن روحانی۔ ذہنی اور اعتقادی طور پر خدا پرست ہوں۔ کیونکہ بالآخران دونوں میں کوئی ایک دوسرے کو ہرا دے گا۔ یا روح کی اصلاح ہو جائے گی۔ اخلاقی مادیت خدائی اخلاق سے تبدیل ہو جائے گی اور یا اخلاقی مادیت انسان کی روح اور اس کے دل ودماغ کو متاثر کر کے خدا پرستی کے عقیدے کو مادہ پرستی کے عقیدے سے بدل دے گی۔ مغربی ممالک میں ترازو کا دوسرا پلّہ بھاری ثابت ہو رہا ہے۔ وہاں کے لوگ اب صرف خاندانی لحاظ سے۔ جغرافیائی اعتبار سے عیسائی رہ گئے ہیں عملی اور نظریاتی طور سے ان کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا ہے۔

<u>کیا عقیدے اور عمل میں جدائی ممکن ہے؟</u> دماغوں میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ انسان کے عقائد اور اس کے اعمال کے درمیان جدائی ہوسکتی ہے یہ ممکن ہے کہ کسی شخص نے غور وخوض کر کے کچھ نظریات قائم کیے ہوں اور وہ اپنی جگہ ثابت اور برقرار بھی رہیں۔ لیکن اس کے اعمال اس کے مطابق نہ ہوں۔

یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ ایمان اور عقیدہ ایسی چیز نہیں ہے کہ جو انسان کے دماغ کے کسی کونے میں پڑا رہے اور اس کا اس کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ البتہ بعض عقائد اسی قسم کے ہیں کہ جن کا کوئی تعلق انسان کے اخلاق اور اعمال سے نہیں ہے۔ مثلاً ریاضی کے معلومات اور اطلاعات۔ لیکن بعض عقیدے اس طرح کے ہیں کہ جو انسان کی پوری زندگی پر چھا جاتے ہیں۔ ہر چیز ان کے قبضے میں آجاتی ہے۔ بے شک عقیدے سے مراد یقین یا کم از کم اطمینان و وثوق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان اور عقیدہ اپنے ساتھ کچھ دوسرے افکار کو بھی لاتا ہے۔ انسان جب خدا کو مان لیتا ہے انفرادی طور سے یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اس کی حکمت و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو پیدا کرنے کی کوئی غرض ہو۔ اس نے بغیر کسی مقصد کا لحاظ کیے کائنات کو نہیں پیدا کیا ہے۔ جبکہ ایسا ہے تو اس مقصد کی تکمیل کے لیے اس نے انسان کے ذمہ کچھ فرائض ضرور قرار دیے ہیں۔ اس کے کاندھوں پر کچھ ذمہ داریاں ضرور ڈالی ہیں۔

اس طرح کا مقدس عقیدہ ایسے گندے ماحول میں ہرگز پنپ نہیں سکتا۔ جہاں کے لوگ ہر طرح کے کام کرنے کے لیے آزاد ہوں۔ جو اپنے اوپر کسی قسم کی پابندی کے قائل نہ ہوں۔ آخر میں اس عقیدے کا نابود ہونا یقینی ہے۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ انسان اپنے عقیدے سے دستبردار نہ ہو اور ماحول کو بدل کر اس میں انقلاب لاکے اس کو اپنا معاون اور مددگار بنالے۔

صرف ایمان کی بات نہیں۔ تمام اخلاقی صفات اور انسانی فضائل کی یہی صورت ہے۔ شرافت۔ شجاعت۔ عدالت۔ خیرخواہی ہر شخص کے اندر نہیں پھلتی پھولتی ہے۔ عیاش اور بدکار اشخاص میں پست اخلاق و اوصاف کی نشو و نما ہوتی ہے۔

کسی قوم سے اس کے بلند انسانی صفات کو چھین لینے کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس کی نوجوان نسل کو عیاش اور بدکار بنا دیا جائے۔ تاریخ عالم بتاتی ہے کہ بہت سے

قوموں کو ان کے دشمنوں نے اسی طرح کمزور اور نکما بنا دیا ہے۔

خبر میلے سائنسدان | یہ بات بھی نظر میں رکھنے کے قابل ہے کہ بہت سے مادہ پرست جو بلاواسطہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن نام رکھنے کے لحاظ سے خدا پرستوں سے الگ ہیں۔

ایسا ہمیں بہت زیادہ نظر آتا ہے کہ جب سائنسدانوں کو اپنے تحقیقات کے دوران کوئی نئی چیز ملتی ہے تو یہ لوگ بڑے انہماک کے ساتھ اس کے فوائد اور نتائج کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔ کبھی اس تلاش میں کافی مدت لگ جاتی ہے۔ یہ لوگ عملی طور پر ہر چیز کے فوائد اور نتائج کی کھوج کرتے اور جب تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاتے چین سے نہیں بیٹھتے ہیں۔

یہ کوشش اور جستجو بتاتی ہے کہ وہ تمام موجودات کے لیے غرض اور مقصد کے قائل ہیں۔ اگرچہ وہ زبان سے اقرار نہیں کرتے ہیں۔ مگر ان کا عمل بتاتا ہے کہ موجودات عالم کی پیدائش بے مقصد و غرض نہیں ہے۔ دنیا کی ہر چیز کے وجود کا ایک فائدہ اور مقصد ضرور ہے جس کے چہرے سے علم کی ترقی آئندہ پردہ سرکائے گی۔

سائنسداں کبھی یوں کہتے ہیں کہ نیچر نے فلاں شے کو فلاں مقصد کے لیے بنایا ہے۔ نیچر نے فلاں چیز سے بچاؤ کے واسطے فلاں اقدام کیا ہے۔ فطرت نے یہ عضو اس جانور کو فلاں مقصد کے پیش نظر دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ انھوں نے نیچر کو باشعور۔ صاحب عقل۔ عالم۔ قادر سب کچھ قرار دے دیا ہے۔

یہ اور ان کے مثل جملے ان کی باتوں میں بہت زیادہ ہیں۔ ان کے اور خدا پرستوں کے اقوال کے درمیان فرق صرف خدا اور نیچر کے نام کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ اندھے، بہرے، ارادہ اور شعور سے محروم نیچرل اسباب ہرگز ان الفاظ کے حقدار اور سزاوار نہیں ہیں۔

یہ وہی بات ہے کہ جو ہر شخص کے دل و دماغ میں راسخ ہے کہ اس وسیع دنیا کے

رنگ و بو میں ہر چیز کسی نہ کسی غرض اور مقصد کے ماتحت بنائی گئی ہے۔ یہ ہمہ گیر، وسیع۔ گہرے اغراض و مقاصد بتلاتے ہیں کہ کسی غیر معمولی صاحب علم و قدرت نے ان موجودات کو خلق کیا ہے۔

یہ اہم نکتہ راہ نمایان اسلام کے کلمات وارشادات میں بھی موجود ہے۔ ان کی طرف سے ایسے لوگوں کو جواب دیا گیا کہ جو تمام موجودات کا سرچشمہ نیچر کو قرار دیتے ہیں کہ اگر نیچر سے مراد ایسا وجود ہے جو ارادے اور شعور سے محروم ہو تو یہ اس نظم عالم کے ساتھ سازگار نہیں ہے اور اگر نیچر سے مراد کوئی با شعور ذات ہے تو صرف اس کے اور خدا کے درمیان فرق نام کے لحاظ سے ہے۔ (توحید مفضّل)

اسلام سے بے خبری | مادہ پرستوں کے منکر خدا ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ صحیح مذہبی عقائد سے بے خبر ہیں خصوصاً مذہب اسلام ان کے سامنے ابھی تک نہیں آیا ہے۔ اکثر مادہ پرست مغربی ممالک میں پیدا ہوئے یا ادیان و مذاہب کے متعلق ان کے معلومات کا ماخذ مغربی اہل قلم ہیں۔ بدقسمتی سے یہ اشخاص بھی جن کے اقوال پر دوسروں نے بھروسہ کیا تمام مذاہب سے عموماً اور مذہب اسلام سے خصوصاً ناواقف تھے۔ ان لوگوں میں سے فقط مستشرقین جو مشرقی مذاہب کے متعلق تحقیق کے لیے آمادہ ہوئے تھے۔ اصول مذاہب سے مختصر طور پر واقفیت رکھتے تھے۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ بعض مستشرقین نے عمداً مخصوص اسباب اور مقاصد کے ماتحت بعض واقعات میں تحریف کرتے ہوئے انھیں دوسری صورت سے پیش کیا ہے۔

سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ مشرقی تعلیم یافتہ۔ روشن خیال حضرات کا ایک طبقہ ادیان و مذاہب کے خلاف اپنے فیصلوں میں یا مغربی مادہ پرستوں کے نظریات کی حمایت میں عام طور پر انہی مستشرقین کے اقوال کو بطور سند پیش کرتا ہے۔ یہی بات اس کے بہت سے کمزور اعتراضات کا سرچشمہ بنی ہے۔ یقیناً اس سے ہر ایسے باخبر شخص کو تعجب

ہوگا جو مذاہب وادیان کی حقیقت سے واقف ہے مثلاً مانٹیسکو (Montesquieu) جنھیں بعض اہل قلم نے اٹھارویں صدی عیسوی کے فرانسیسی انشاپردازوں میں سب سے ممتاز قرار دیا ہے، اپنی کتاب کے سولھویں باب کی دوسری فصل میں "پریڈو" سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"محمدؐ نے پانچ سال کی عمر میں خدیجہ رضؓ سے عقد کیا اور آٹھ برس کے سن میں ان سے ہم بستری کی!" (روح القوانین)

مانٹیسکیو (Montesquieu) نے یہ بات اپنے اس دعوے کے ثبوت میں لکھی ہے کہ ایسے ملکوں میں جنسی جذبات زیادہ شدید ہیں جہاں زیادہ گرمی ہوتی ہے۔ اسی بنا پر لڑکے جلدی بالغ ہو جاتے ہیں۔

اس پانچ اور آٹھ سال سے یا پیغمبر اسلامؐ کا سن مراد ہے اور یا جناب خدیجہ کا، بہر حال مقصود جو بھی ہو یہ ایسی بات ہے جس پر ہر شخص ہنسے گا۔

"روح القوانین" کے فارسی مترجم نے اس بات کو انتہائی ناواقفیت کا نتیجہ قرار دینے کے بعد لکھا ہے کہ:

"خیال ہوتا ہے کہ "پریڈو" نے چاہا ہے کہ آب وہوا کے تاثیرات میں مبالغہ کرتے ہوئے ایک غیر معمولی۔ عام نظام وجود کے خلاف واقعہ نقل کرے۔ ورنہ جو شخص پیغمبر اسلام کے واقعات زندگی سے مختصر طور پر بھی واقفیت رکھتا ہو۔ وہ اس اظہار کے غلط ہونے کا یقین کرے گا۔" مانٹیسکیو (Montesquieu) کے ایسا لکھ دینے کے بعد ہر شخص سمجھ لے گا کہ ادیان و مذاہب کے بارے میں عموماً اور مذہب اسلام کے متعلق خصوصاً مستشرقین کے معلومات کس حد تک ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی اطلاعات پیغمبر اسلامؐ کے نہایت واضح اور نمایاں حالات زندگی کی بابت اتنے ناقص اور غلط ہوں وہ کیوں کر مذہبی اصول عقائد اور دینی حقائق ومعارف کی بابت فیصلہ کر سکتے ہیں؟!

دوسری مثال ہالینڈ کے مشہور اہل قلم "دان لون" کی ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے آثار قلمی کا ۲۹ زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی کتاب داستان بشر اپنے وقت میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب تھی۔ انھوں نے اپنی اسی کتاب میں جناب رسالتمآب ؐ اور ان کے آئین کے متعلق لکھا ہے کہ "ابوبکرؓ کے بعد ان کے جانشین عمرؓ ہوئے" اس کے بعد ان کے فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ "انھوں نے اسلامی سلطنت کا سب سے پہلا پایۂ تخت دمشق کو قرار دیا۔ عمرؓ کے بعد خلافت علی کو ملی"!

ہم سب کو مسلمانوں کے بچوں تک کو معلوم ہے کہ نہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت علی خلیفہؓ رسول ؐ منتخب ہوئے اور نہ خلیفۂ دوم نے دمشق کو اسلامی سلطنت کا پایۂ تخت قرار دیا۔

مشرقی امور: خصوصاً ادیان و مذاہب کے متعلق مستشرقین اور مغربی مؤرخین کی ناواقفیت کے یہ چند نمونے تھے جنھیں پیش کیا گیا۔ اس سے مغربی سائنسدانوں کی بے اطلاعی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جن کا عموماً ان مسائل سے کوئی ربط نہیں ہے۔

یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم سرے سے ادیان و مذاہب کے بارے میں مغربی دانشمندوں کے معلومات کے بالکل منکر ہیں۔ ہمارا صرف مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کے اطلاعات اتنے اہم اور مستند نہیں ہیں کہ انھیں بعض اعتراضات کی بنیاد بنالیا جائے۔

شاید نیچرل سائنس (*Natural Sciences*) کے سلسلے میں ان لوگوں کی غیر معمولی ترقی ہمارے بعض تعلیم یافتہ، روشن خیال اشخاص کو اس اقرار سے روکتی ہے کہ ادیان و مذاہب کی بابت ان کی معلومات ناقص ہیں لیکن اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ کسی شخص کا کسی شعبے میں ماہر ہونا اس امر کی دلیل نہیں بن سکتا کہ دوسرے شعبوں میں بھی اس کے نظریات صحیح ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص ایک بہترین ریاضی داں ہونے کے باوجود کسی دوا کے معمولی فارمولے اور اس کے اثر سے ناواقف ہو۔ اسی طرح ایک بہترین ڈاکٹر ذو اضعاف اقل کے ایک انتہائی آسان اور واضح سوال نہ لگا سکتا ہو۔